قسط ۲

امام ابوداؤدؒ اور سنن ابی داؤدؒ

مولانا ابوبکر حمزہ صاحب استاذ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

غرضیکہ ہر دور میں فتنہ انکارِ حدیث سر اٹھاتا رہا۔ اگر محدثین کی مقدس جماعت کمربستہ ہوکر میدان میں نہ اترتی تو ذخیرہ حدیث لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور جو کچھ موجود ہوتا وہ خواہش پرستوں اور باطل کے علمبرداروں کی منشاء و مرضی کے مطابق ہوتا۔ کون فرق کرسکتا تھا کہ یہ ارشادِ نبویؐ ہے یا کسی کی گھڑی ہوئی داستان، سنن ابی داؤد کے مصنف امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی محدثین کے اس مقدس قافلہ کے ایک شاہسوار ہیں۔ جنہوں نے ترویج حدیث کے لیے اپنی متاعِ زندگی کو قربان کر دیا۔ اللہ پاک محدثین کی ان مساعی جمیلہ کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کی قبروں کو نور سے بھر دے آمین۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

امام ابوداؤدؒ کا دور

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں پیدا ہوئے اور اواخر میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔ اسلامی تاریخ میں تیسری صدی کا دورِ تہذیب و تمدن، ترقی و عروج، علم و فضل اور سیاسی اعتبار سے ایک سنہری دور تھا۔ خاص طور پر بغداد علم و فضل کا مرکز اور رؤساء کا پایۂ تخت تھا تہذیب و تمدن کے لحاظ سے وہ عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں پر دنیا کی علمی ثقافت کے نمونے پائے جاتے تھے پھر اس دور میں تصنیف و تالیف کا کام اس قدر زوروں پر تھا کہ ہمہ وقت اس کی اشاعت و طباعت کا سلسلہ جاری رہتا حدیث، تفسیر تاریخ مغازی طبقات ادب معانی فقہ منطق فلسفہ اور دیگر علوم کتابوں کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکے تھے۔ خاص طور پر علوم حدیث کی اشاعت سب سے زیادہ ہو رہی تھی امام ابوداؤدؒ کے دور میں بڑی بڑی شخصیتیں اور یکتائے روزگار انسان موجود تھے فن حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلمؒ یحییٰ بن معینؒ احمد بن حنبلؒ جیسی شخصیتیں موجود تھیں۔ جن کے بعد چشمِ فلک کو ایسے انسانوں کا دیدار نصیب نہ ہوا الحمدللہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ بے تاج بادشاہ تھا فقہا میں سے ربیع مدنیؒ اور داود ظاہریؒ جیسے مشہور و معروف آئمہ موجود تھے جن کی فقاہت

کا شہرہ کئی صدیوں تک سنائی دیتا رہا۔ شعراء میں سے علی بن جہم ابن رومی بحتری اور ابن المعتز جیسے بلند پایہ شعراء موجود تھے جن کی شعر و شاعری پر دنیا گوش بر آواز تھی ان کا کلام دنیا میں نشر ہوا کرتا تھا۔ علم و ادب کے میدان میں ابوالعباس مبرد حافظ ثعلب اور فرا جیسے آئمہ لغت موجود تھے۔ جن کا وجود ادب کے لیے سرمایۂ غنیمت تھا اور اپنے زمانہ میں ایک سند کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یہ دور ایک سنہری دور تھا۔ پوری دنیا اسلامی اطوار اور علوم و فنون کے حصول کے لئے شمال و مغرب سے سرزمین بغداد کا رخ کیا کرتی تھی۔

سیاسی حالات

امام مرحوم مامون کے دور میں پیدا ہوئے اور پھر پے در پے معتصم واثق متوکل مستعین، مستنصر معتز مہتدی اور معتمد کے ادوار میں زندہ رہے پھر جب موفق باللہ کا دور آیا تو امام صاحب خلیفۂ وقت کی گزارش پر بصرہ تشریف لے گئے سیاسی لحاظ سے یہ دور خاصی بے چینی بدامنی انتشار خلفشار اور باہمی سر پھٹول کا دور تھا۔ بنوامیہ کی حکومت کو ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی تھی۔ لیکن ترکی افواج نے (جن کا عباسی حکومت میں بڑا دخل تھا۔) اضطراب پیدا کر رکھا تھا جس کی بنا پر حکومت ترکیوں کی دستِ نگر ہو رہی تھی عباسی حکومت میں درج ذیل بنیادی وجوہات تھیں۔ جس کی بنا پر وہ آرام اور چین سے حکومت نہ کر سکے۔

۱۔ ان میں خاندانی کشمکش ہمیشہ موجود رہتی جو تخت حکومت پر مسلط ہوتا وہ اپنے خاندان کو مخالف سمجھتا اور ان کے بارہ میں بدظنی کا شکار رہتا جس کی وجہ سے شاہی خاندان میں ہمیشہ عداوت جاری رہتی۔

۲۔ عجمی طاقتوں میں خاص طور پر ترکوں کا داخلی طور پر بہت اثر و رسوخ تھا۔ جس کی بنا پر وہ ہمیشہ ہنگاموں کی سی فضا پیدا کئے رکھتے تھے۔

۳۔ مختلف ممالک اسلامیہ میں بعض مخالف تحریکیں ہنگامے بپا رکھتی تھیں۔

۴۔ سلطنت کے شمالی مغربی حصوں میں صلیبیوں کی جنگیں بھی اکثر رونما ہوتی رہتی تھیں۔

۵۔ عباسی خلفاء بعض گمراہ فرقوں کے ہاتھوں شکار ہو چکے تھے۔ جیسا کہ خلقِ قرآن کے فتنے میں عباسی خلفاء نے کتنے انسانوں کے ناحق خون کیے۔ اور ان کو سزائے موت دے کر ملحدوں کی ناپاک سازشوں کو فروغ کا موقع فراہم کیا۔

۶۔ بایں ہمہ بہت سی فکری تحریکیں پیدا ہو چکی تھیں جو موجودہ حکومت کی ناروا سیاست کو اچھا نہ

سمجھتی تھی اور ذہنیت ان کے خلاف تھیں۔ ان پراگندہ حالات میں محدثین کی خدمات جلیلہ ناقابلِ فراموش ہیں جو یمین ویسار سے غافل ہو کر اپنے نصب العین پر جم کر کام کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے اجتماعی زندگی کو بہت حد تک اطمینان وسکون حاصل تھا۔ پیشِ نظر کتاب میں بھی محدثین کے اس مقدس قافلہ کے ایک شاہسوار کی سرگزشت بیان کی گئی ہے یہ کتاب ایک مقدمہ دو ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ | مقدمہ میں محدثین کی خدمات جلیلہ اور امام ابوداؤد کے دور کے حالات وواقعات کا بالتفصیل تذکرہ کیا گیا ہے۔

الباب الاول | باب اوّل میں اس عظیم الشان رفیع المرتبت اور فقید المثال محدث کا مکمل تعارف (نام ونسب، ولادت، وطن، تعلیم، اساتذہ وشیوخ، اخلاق و عادات، فضائل و مناقب، محامد ومحاسن اوصاف وخصائل اور تصانیف) پیش کیا گیا ہے۔

الباب الثانی | اس عظیم انسان کی بلند پایہ، مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف سنن ابی داؤد کے مقام ومرتبہ فضائل ومحاسن اور اوصاف وخصائص کا تذکرہ ہے۔

آخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں محدثین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور قیامت کے دن خدام حدیث کے جھنڈے تلے جمع فرمائے آمین ثم آمین۔

نام نسب | حافظ الحدیث رئیس الفقہاء ابوداؤد سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن الازدی السجستانی۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ آپ کے جداعلیٰ عمران نے جنگ صفین میں حضرت علیؓ کا ساتھ دیا اور اسی معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا[1]۔

سن ولادت | علم وفضل کا یہ آفتاب و عالمتاب ۲۰۲ھ میں ہستی کائنات میں جلوہ گر ہوا[2]۔ جس کی نورانی کرنوں اور روحانی ضیا پاشیوں نے اقالیم عرب وعجم کو منور کر دیا جس کی آغوش محبت میں قافلہ محدثین کے ہزاروں مقدس افراد نے تربیت حاصل کی اور پھر اشاعت وترویج حدیث کی خاطر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل　　قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم

---

[1] تہذیب ۴/۱۶

[2] صحاح ستۃ اور ان کے مؤلفین ص۹۱ بستان المحدثین ص۱۰۱

خاندان آپ کی نسبت یمن کے ایک مشہور قبیلے ازد کی طرف کی جاتی ہے جو کہ انصار صحابہ کی اولاد ہیں۔

وطن وطن کی نسبت کے اعتبار سے آپ کو سجستانی کہا جاتا ہے سجستان ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے جو سندھ اور ہراۃ کے درمیان واقع ہے بعض مؤرخین نے آپ کی نسبت اس سجستان کی طرف کی ہے۔ جو بصرہ کا ایک گاؤں ہے۔ یہ نسبت درست اور صحیح نہیں ہے کیونکہ شہاب الدین الحموی فرماتے ہیں۔ میں نے بصرہ میں سجستانی گاؤں کی بھرپور تلاش کی مگر گاؤں نہ مل سکا اور نہ ہی کسی نے رہنمائی کی جس کی بنا پر یہ کہنا پڑے گا کہ سجستان سرزمین ترکستان کا ایک مشہور شہر ہے[1]۔

علامہ سمعانی فرماتے ہیں۔ "والسجستان نسبة الی سجستان وهی احدی البلاد المعروف بکابل" آپکی نسبت اس سجستان کی طرف ہے جو کابل کے مشہور و معروف شہروں میں ایک ہے[2]۔

ہندوستان کے مایہ ناز محدث حضرت الشیخ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں "هذه نسبة الی سجستان البلد المعروف فیما بین السند والهراة بقرب قندهار و حیث دان سجستان الآن فی بلاد افغانستان[3]

آپ کی نسبت اس مشہور سجستان کی طرف ہے جو سندھ و ہراۃ کے درمیان اور قندھار وحبت کے قریب ہے اور اب وہ سجستان افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کی نسبت سنجری ذکر کی ہے لیکن یہ تضاد نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے دونوں نام ہی مشہور ہیں۔ الغرض امام ابوداؤد کی نسبت اس سجستان کی طرف ہے جو سابقہ ترکستان اور موجودہ افغانستان کا مشہور شہر ہے مشہور مؤرخ ابن خلکان کو زبردست غلطی لگی ہے۔ جو اس نے سجستان بصرہ کا ایک گاؤں قرار دیا ہے۔

اسلام کی عظمت یہ فیضانِ الہٰی اور قدرت خداوندی ہے کہ اس نے سرزمین عجم کی خاموش اور جامد فضاؤں سے اس قدر مایہ ناز جلیل القدر اور عظیم المرتبت محدث پیدا کئے۔ جنہوں نے پوری دنیا میں قال اللہ و قال الرسول

۱ے کتاب الانساب ص۱۹۲۔

۲ے کتاب الانساب ص۱۲۔

۳ے بستان المحدثین ص۱۔

کی روح پرور اور ایمان افروز صدائیں بلند کیں۔ ؎

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی ‏ ‏ ورنہ یہاں کلی کلی محو تھی خواب ناز میں

یہ بات عظمتِ اسلام کا شاہکار ہے کہ اس نے سرزمین عرب و عجم کو یکسانیت کے ساتھ مورد الطاف ٹھہرایا۔ یہاں تعصب اور علاقائی کشمکش کا کوئی شائبہ ہوتا تو یہ چشمۂ فیوض و برکات سرزمین عجم کو سیراب نہ کرتا مگر یہاں تو نقشہ ہی کچھ اور ہے قافلہ محدثین کے بیشتر شاہسوار سرزمین عجم سے اٹھے اور اقامت دین حنیف اور حفاظت حدیث کا علم بلند کیا۔ امیر المحدثین سرزمین بخارا سے اٹھے اور پوری دنیا پر علم حدیث کا سکہ بٹھا گئے۔ ادھر مسندِ حدیث کے تاجدار جرح و تعدیل کے امام صاحب الصحیح المسلم امام مسلم بن حجاج قشیری بھی اسی خطۂ ارضی سے تعلق رکھتے ہیں جنہوں نے عجم کے ایک گمنام خطے نیشاپور میں آنکھ کھولی اور علم حدیث کے وارث بنے اور ایسی قابل اعتماد تصنیف کا شرف حاصل کرتے ہیں جس کی ثقاہت پر پوری دنیا کا اتفاق ہے۔

ذرا آگے چلیں تو آپ کو اقلیم علم و فضل کے تاجدار امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت نظر آئے گی جن کا جنم خراسان کی ایک بستی نسا میں ہوا ایسکن طلب حدیث کے لیے عجم سے نکل کر عرب تک جا پہنچے۔ دنیا کے چپے چپے کو چھان کر ایک ایک کتاب کو تصنیف فرمایا جس کے فیضان سے عربی عجمی بلا امتیاز سیرابی حاصل کر رہے ہیں۔

خدمتِ حدیث میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا وہ کونسی سرزمین کے رہنے والے تھے؟ عجم کے آغوش میں ہر بلخ کے کنارے ایک ترمذ نامی شہر میں پیدا ہوئے۔ مگر اسلامی دنیا میں ایسی لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ کہ قیامت تک جن کی فقاہت اور خدمت حدیث کی خوشہ چینی ہوتی رہے گی۔

ادھر جلیل القدر محدث ابو عبداللہ محمد بن یزید قزوینی جلوہ آرائے سندِ حدیث ہیں۔ سنن ابن ماجہ جن کا تصنیفی شاہکار ہے۔ یہ کون تھے؟۔ طالبانِ علم صحاح ستہ کی ابتداء اسی کتاب سے کرتے ہیں

اسلام کا معجزہ دنیا میں کسی دین و مذہب کو یہ سعادت نہ ہو سکی کہ دنیا کے ہر خطے میں اس کے متبعین کا جم غفیر موجود ہو گا مگر اسلام نے تو عقلوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کہ اپنے سارے خزانے ان لوگوں کے سامنے رکھ دیئے جو نسبی وطن ثقافتی اور معاشرتی لحاظ سے سرزمین عرب سے بالکل الگ تھلگ تھے دنیا میں ہر دین میں تعصب پایا جاتا ہے۔ کہ وہ صرف اور صرف اپنے زیرِ نگیں اقوام و اوطان اور علاقوں کی رہنمائی کرتا ہے مگر اس کے برعکس

اسلام ہدی للعٰلمین کا مصداق ذکر اللعٰلمین کا پیکر اور رحمۃ اللعٰلمین کا مجسمہ ہے۔

ارباب عقل و بصیرت کے لیے یہ بات تعجب خیز اور حیران کن ہوگی کہ صحاح ستہ کی کتب پر اہل اسلام کو بلا امتیاز عرب و عجم فخر اور ناز ہے لیکن ان کے مؤلفین مکمل طور پر عجمی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

؎ عجمی خم ہے تو کیا مئے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

علم حدیث کے لیے دشت پیمائی

خدا کے ہاں جو چیز محبوب و مقبول اور منظورِ نظر ہوتی ہے اس کے حصول کے لیے مال و جان کی بازی سب سے پہلی شرط ہے اس دور میں علماء سنت اور مملکت علم و حدیث کے تاجداروں کی کمی نہ تھی اس کے باوجود مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوئے بغیر یہ دولت عظمیٰ کا سرمایۂ حیات حاصل نہ ہوتا تھا۔ یہ صرف محدثین کا طرۂ امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک حدیث سننے کے لیے ہزار ہا میل کا دشوار گزار سفر طے کیا۔ صحراؤں بیابانوں اور جنگلوں کی خاک چھانی سمندروں کا سینہ چیرا، اور پہاڑوں کی فلک بوس چوٹیوں کو سر کیا اتنے سفر کے بعد اگر ایک حدیث بھی ان کو میسر آئی تو گویا ان کی دنیا آباد ہوگئی۔ دنیا و مافیہا کے خزانے مل گئے۔

یقیناً محدثین کرام نے شوقِ حدیث ہیں جن مصائب سے اپنا دامن الجھایا یہ صرف انہیں کا حوصلہ تھا اگر ان میں ذرہ بھر بھی ذاتی اغراض و مقاصد کا شائبہ ہوتا تو اس قدر استقامت کا مظاہرہ نہ کر سکتے۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ خطرہائے بے
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قافلۂ شوق کے ایک شاہسوار ہیں جن کا مذہب الشوق مرکبی جنہوں نے پیارے پیغمبر کے ارشادات و فرامین کے سماع کے لیے اپنی پوری زندگی کو صرف کر دیا۔ امام صاحب نے بے شمار مقامات کو ورود سعود سے نوازا۔ بلاد اسلامیہ میں سے مصر، شام بصرہ، بغداد، حجاز، عراق قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کو جہاں کہیں بھی علم حدیث کی روشنی نظر آئی اسی طرف رختِ سفر باندھا بستان المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خود امام صاحب کی زبانی مصر کے سفر کا تذکرہ کیا کہ میں نے مصر میں ایک بہت لمبی ککڑی دیکھی اس کو ناپا تو وہ تیرہ بالشت کی ہوئی

ـلـه بستان المحدثین صـ ۱۰۹ السنن صـ ۲۲۶ کتاب الزکوٰۃ۔

اساتذہ شیوخ اپنے بے شمار اساتذہ سے کسب فیض حاصل کیا جن کے استقصاء ذکر سے قلم و قرطاس کی تنگ دامانی مانع ہے۔

قال ابن حجر شیوخہ فی السنن ثلاث مائۃ نفس[1] ے

دامان نگاہ و گل حسن تو بسیار گلچین تو از تنگی داماں گلہ دارد

چند ایک ضروری اساتذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے امام صاحب کا تشخص اور مرتبہ تلمذ خود بخود آشکار ہو جائے گا۔

۱ - امام احمد بن حنبل الشیبانی جو بخاری و مسلم کے استاذ ہونے کی وجہ سے دنیائے حدیث کے مسلم الثبوت امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔

۲ - یحییٰ بن معین جو آئمہ مشہورین میں جلالت و شان کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں[2]۔ خطیب بغدادی کے بقول کان اماما ربانیا عالما حافظا ثبتا متقنا۔

۳ - اسحاق بن راہویہ جن کے مقدس وجود سے نیساپور کی رونق و رعنائی کو چار چاند لگے علم حدیث میں جنکی اسناد پر آئمہ دین بھی فخر کیا کرتے تھے[3]۔

۴ - عثمان بن محمد بن شیبہ آئمہ حفاظ میں جانی پہچانی شخصیت ہیں[4]۔

۵ - مسلم بن ابراہیم ازدی جن کے سامنے یحییٰ بن معین اور امام بخاری جیسے بلند پایہ آئمہ نے زانوے تلمذ طے کیا[5]۔

۶ - عبداللہ بن مسلم بن قعنب القعنبی[6]

۷ - ابوالحسن مسدد بن مسرہد[7]۔

۸ - ابوسلمہ موسیٰ بن اسماعیل التیمی المنقری التبوذکی۔

۹ - حافظ ابوبکر محمد بن بشار العبدی البصری۔

۱۰ - حافظ خیثمۃ زہیر بن حرب بن شداد الحرشی

۱۱ - ابوحفص عمرو بن خطاب السجستانی۔

۱۲ - ابوعثمان عمرو بن ناقد محمد بن بکیر البغدادی۔

۱۳ - الحافظ الصالح ابوالسری ھناد بن السری ابن مصعب التیمی الدارمی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ص۱۷۲ ۔ [2] تاریخ بغداد ص۱۷۷/۱۴ ۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ص۱۹/۲ [4] میزان الاعتدال ص۲۸۲/۲

[5] تذکرۃ الحفاظ ص۹۲/۲ ۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ص۲۹۲/۱ ۔ [7] ایضاً ۔ [8] ایضاً ۔

۱۴۔ الحافظ الامام المحدث نصر بن علی الجہضمی الازدی
۱۵۔ الحافظ ابو کریب محمد ابن العلاء بن زیب الہمدانی الکوفی ابو عثمان عمرو بن مرزوق الباہلی البصری۔
۱۶۔ الحافظ ابو موسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید بن قیس البصری۔
۱۷۔ ابو عبداللہ محمد بن کثیر العبدی البصری۔
۱۸۔ الحافظ ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ۔
۱۹۔ الحافظ ابو العباس حیوۃ بن شریح بن یزید الحضرمی الحمصی۔

تلامذہ ان خوش قسمت انسانوں کی قدر و منزلت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ جنہوں نے سر چشمۂ نبوت کے فیضان سے جی بھر کر سیرابی کی اور پھر مسند پر براجمان ہوئے تو چار دانگ عالم سے تشنگان علوم نے ان کی خدمت میں حاضری دی وہ ایک ایسا دور تھا جب علم حدیث کی مجلسوں میں ہزاروں انسانوں کے ٹھٹھ لگے ہوتے تھے۔ استاد کے منہ سے جب کوئی کلمہ نکلتا تو سامعین اس کو اپنے لوح دماغ پر لکھا کرتے تھے۔ اس سنہری دور میں امام ابوداؤد جیسے حافظ حدیث کی مسند تدریس کا عالم کیا ہوگا؟ یقیناً ہزاروں انسانوں نے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف تلمذ حاصل کیا۔

مگر وہ تلامذہ جن پر امام موصوف کو فخر ہے ان میں سے امام ترمذی رحمہ اللہ، نسائی رحمہ اللہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کفی بہ فخراً ان الامام الترمذی والنسائی من تلامذتہ وحسبہ نفضلاً یروی عنہ شیخہ احمد بن حنبل حدیث ویکتبہ عنہ وھو مارواہ ابو داؤد من حدیث حماد بن سلمۃ عن عبل اثؤام الدارمی عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل عن العطیرۃ فحسنہا[1]

ترجمہ:۔ امام ابوداؤد اس پر جتنا چاہیں فخر کر سکتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مایۂ ناز محدثین ان کے شاگرد ہیں پھر ان کے شرف و فضل کے لئے یہی چیز کافی ہے کہ ان کے استاذ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے عطیرۃ کی روایت کو امام ابوداؤد سے بیان کیا ہے امام ابوداؤد نے اپنے جلیل القدر استاد احمد بن حنبل کی مصاحبت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص۵۹۲

میں ایک طویل عرصہ گزارہ۔

اپنی معرکۃ الارا تصنیف سنن ابی داؤد کو ان کے سامنے پیش کیا تو امام احمد بن حنبل نے انہیں دادِ تحسین دی[1]۔

امام صاحب اکثر و بیشتر اپنے معاملات میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے لیتے اور ان کی سرپرستی میں اپنے امور سرانجام دیتے آئے ایک مستقل کتاب لکھی جس میں صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت شدہ مسائل اور اس کا نام مسائل الاحمد رکھا ہے۔

اس طرح سنن ابی داؤد میں بھی امام صاحب کئی ایک مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی آراء کے مطابق رائے دیتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ آپ نے امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا کہ اگر میں کسی اہلِ سنت کو بدعتی کے پاس دیکھوں تو کیا اس کے ساتھ بائیکاٹ کر دوں؟ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کو معلوم کرا دو اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو بدعتی سمجھ کر دامن تہی اور کنارہ کشی اختیار کریں کیونکہ ابن مسعود کا فرمان ہے۔ آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہوگا[2]۔

دیگر تلامذہ

(۱) ابو عمرو احمد بن علی بن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) ابو علی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی۔

۳۔ ابو طیب احمد بن ابراہیم الشنانی۔

۴۔ ابو سعید احمد بن احمد بن معمر بن زیاد الشہیر بعرابی۔

۵۔ ابو بکر بن محمد بن عبدالرزاق بن داستہ۔

۶۔ ابوالحسن علی بن حسن بن انصاری۔

۷۔ ابو عیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی۔

۸۔ ابو اسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید دداس۔

۹۔ ابو سالم محمد بن سعید الجلودی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۰۔ ابو عبداللہ محمد بن احمد بصری۔

۱۱۔ ابو بکر احمد بن سلیمان نجار۔

۱۲۔ اسماعیل بن محمد صفار۔

۱۳۔ ابو عبید محمد بن علی بن عثمان اجری۔

---

[1] تذکرہ الحفاظ ص۵۱۲ [2] طبقات الحناج ص۱۷۲

۱۴۔ ابوبکر بن امام ابوداؤد (مؤلف سنن ابوداؤد)۔
۱۵۔ ابوعوانہ یعقوب بن ابراہیم الفرائینی۔
۱۶۔ حرب بن اسماعیل کرمانی۔
۱۷۔ امام زکریا ساعی۔
۱۸۔ ابوبکر بن محمد بن خلال۔
۱۹۔ امام احمد بن یٰسین ہروی۔

ان تلامذہ میں چار وہ شاگرد ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ امام صاحب کی آغوش تربیت میں گزارہ۔ اور آپ کے درس ہائے حدیث سے بھرپور استفادہ کیا۔ ان کے بارے میں شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"چہار کس از جملہ شاگرداں او خیلے سرآمد محدثین شدند۔ اوّل پرش ابوبکر بن ابی داؤد دوم لؤلؤی سوم ابن الاعرابی چہارم ابن داسہ"۔

امام صاحب کے شاگردوں میں سے چار شاگرد ایسے ہیں جو عظیم محدث بنے۔ اوّل امام صاحب کا بیٹا ابوبکر، دوم لؤلؤی، سوم ابن الاعرابی اور چہارم ابن داسہ۔

اجتماعی زندگی کی چند جھلکیاں

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قابلِ رشک زندگی بسر کی آپ عظیم النظیر شہرت کے مالک تھے۔ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف آپ کی زندگی میں ہی شہرت کے آسمان پر پہنچ چکی تھی۔ اقصائے عالم کے طلباء آپ کے دروازے پر دستک دیتے تشنگان علوم دین آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہر علاقے اور ہر ملک کے علمائے کرام کے ساتھ آپ کے خوشگوار تعلقات تھے۔ آپ نے خود بھی دنیا بھر کے مشاہیر اہلِ علم سے شرف نیازمندی حاصل کیا۔ وقت کے حکمران امام صاحب کی جلالت مآب شخصیت سے بے حد متاثر تھے موفق باللہ جو کہ خلیفہ وقت تھا امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر التجا کرتے لگا کہ آپ بصرہ میں تشریف لے آئیں۔ بصرہ کی رونق لٹ چکی ہے خزاؤں کی گردش نے بصرہ کی شادابیوں کو مرجھا رکھا ہے۔ تصرفاتِ زمانہ نے اس آباد شہر کی چہل پہل کو اجڑے ہوئے دیار کی مانند بنا دیا ہے۔ آپ بصرہ میں تشریف لائیں تاکہ آپ کی تشریف آوری سے بصرہ کی شادابیاں لوٹ آئیں، رونقیں عود کر آئیں اور اہلِ علم پھر سے بصرہ کی سرزمین سے محبت کرنے لگیں۔ خلیفہ کا مقصد یہ تھا کہ چونکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بذاتِ خود

ایک چلتی پھرتی دنیا ہیں۔ آپ جہاں فروکش ہوں گے دنیا بھی وہاں قیام پذیر ہوگی اہلِ علم ہوں گے حفاظ حدیث ہوں گے اور اسلام کے علمبردار ہوں گے۔ اس لیے آپ کے حضور میں نے یہ درخواست کی ہے چنانچہ امام صاحبؒ نے خلیفہ کی درخواست کو شرفِ قبولیت سے نوازہ اور فی الواقع ہی بصرہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ورود مسعود اور قیام مبارک کے ایام میں مرکز علم اور سرچشمۂ حدیث منبع قرآن بن گیا۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنے بیٹوں کو علمِ حدیث کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ علم حدیث سے آشنا کرانے کے لیے بچپن ہی میں ان کو اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ آغاز شعور میں ہی حدیث کی مقدس اور پاکیزہ تعلیم ان کے دل و دماغ میں گھر جائے۔[1]

؎ اتانی ھواھا قبل ان اعرف الھوی فصادف قلباً خالیاً فتمکنا

ایک دلچسپ واقعہ یاقوت اور ابنِ عساکر نے حسن بن بندار سے نقل کیا ہے کہ احمد بن صالح نوعمر بچوں کو اپنے حلقہ درس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا امام ابوداؤد ان کی مجلس میں شریک ہو کر سماع کیا کرتے تھے، ایک دفعہ امام صاحبؒ نے شوق فرمایا کہ اپنے بیٹے کو بھی احمد بن صالح کی صحبت سے فیضیاب کریں۔ انھوں نے نوخیز بچے کے چہرے پر سیاہ بالوں کی ڈاڑھی لگا دی تاکہ شیخ احمد بن صالح اس پر اعتراض نہ کریں اس ترکیب سے آپ کے بیٹے کو بھی سماع کی سعادت مل گئی۔ لیکن بعد میں جب شیخ صاحب کو جب اس بات کا علم ہوا۔ تو امام صاحب رحمہ اللہ سے ناراض ہوئے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے۔ حضرت! آپ میرے بچے کو اپنے شیوخ اور مشہور رواۃ کی طرح سمجھیں۔ اگر یہ ان کی مانند نہ ہوتا تو میں کبھی اس کو مجلس میں نہ لاتا۔ چنانچہ اس واقعہ کے راوی بندار کہتے ہیں کہ چند شیوخ نے اس بچے کے ساتھ بحث و تکرار کا مقابلہ کیا مگر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نوخیز بچے نے سب کو مات کر دیا۔

اخلاق و عادات حسن خلق ایک قابلِ تعریف اور عمدہ خوبی ہے اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کی اس خوبی کو بایں الفاظ آشکار فرمایا۔ انک لعلی خلقٍ عظیم۔ انسان کی قدر و منزلت اور اس کی الوالعزمی کا اندازہ اس کے بہتر اور عمدہ اخلاق سے ہو سکتا ہے۔ جو انسان بے شمار صلاحیتوں کا مالک ہو لیکن خوئے دل نوازی سے محروم ہو تو اس کا تشخص اور جملہ خوبیاں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمان کے حسن خلق پر ان الفاظ سے تبصرہ کیا ہے۔

؎ مسلماں کے لہو سے ہے سلیقہ دلنوازی کا مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

امام صاحب رحمہ اللہ کے علمی مقام کے بعد آپ کے اخلاق و عادات کو دیکھا جائے تو

[1] مقدمۃ معالم السنن ص۳

معلوم ہو جائے گا کہ آپ کتنے خلق عظیم کے مالک تھے۔ زہد و تقویٰ خشوع و خضوع اور عجز و انکسار اور انابت الی اللہ آپ کی زندگی کا معمول تھا۔ تکبر و نخوت اور ریاکاری جیسی عادات سے آپ کی زندگی بالکل منزہ مبرہ تھی۔ ذکاوت میں نہایت اعلیٰ معیار رکھتے تھے۔ طلب علم اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے مشقتوں اور مصیبتوں کی پرواہ تک نہ فرماتے نہایت بے دار مغز اور زندگی کے نشیب و فراز سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ خودداری اور شرافت کی ان پہ ناز تھا دنیا کی خاطر اپنے دین کو قربان کرنے والے نہ تھے۔ بلکہ دین کی خاطر تن من، دھن کی بازی لگا دینے کا جذبہ و شوق رکھتے تھے حق گوئی سے دنیا کی کوئی طاقت ان کو باز نہ رکھ سکتی تھی۔ اگر کسی چیز کو خلاف شرع اور غیر مستحسن سمجھتے تو برملا اور ببانگ دھل اس کی تردید فرماتے۔ اگرچہ خلیفہ وقت اور رؤسا، امراء ان کے مخاطب کیوں نہ ہوتے حدیث کی امانت لوگوں تک پہنچانے میں بڑی احتیاط سے کام لیتے۔

امام ابو داؤد کی نظر میں اسلاف کی قدر و منزلت

اللہ تعالےٰ نے تائید اسلام اور اپنے پیارے پیغمبر کی مصاحبت کے لیے جن مقدس اور برگزیدہ ہستیوں کو منتخب فرمایا پوری دنیا میں ان کی مثال نہیں ملتی اللہ پاک نے خود صحابہ کرام کو قرآن پاک میں رضی اللہ عنہم کا لقب عطا فرمایا۔

یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ اس پر جتنا بڑا بھی فخر و ناز کیا جا سکے کم ہے مگر افسوس کہ بعض نابکار اور متعصب قسم کے لوگوں نے صحابہ کرام کی مقدس ذات کے بارہ میں بڑی زبان درازی اور بیہودہ گوئی سے کام لیا۔

امام ابو داؤد اس قسم کے راویوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ جن کے دل صحابہ کی عظمت کے معترف نہ تھے۔ چنانچہ ابو یعلیٰ محمد بن علی اجری سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک علی بن محمد اور عمر بن مرزوق میں سے کونسا راوی زیادہ قابل اعتماد ہے۔ تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عمر بن مرزوق میرے نزدیک زیادہ ثقہ اور راجح ہے۔ اس لیے کہ علی بن محمد میں ایک نہایت ہی قباحت پائی جاتی ہے وہ کیا؟ وہ صحابہ اکرام کے متعلق غیر محتاط اور جارحانہ رویہ رکھتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ ما یسؤنی ان یعذب اللہ معاویۃ۔

مجھے یہ چیز بری نہیں لگی کہ اللہ تعالےٰ امیر معاویہ کو عذاب چکھائے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہتا ہے۔ ابن عمر ذاک الصبی۔ ابن عمر تو ایک

بچہ تھا۔

امام صاحب نے پوری وضاحت کے ساتھ اپنے نقطۂ نظر کا اظہار فرمایا ہے۔ علی بن محمد پر جو جرح کی ہے اس کا سبب بھی بیان کیا ہے کہ وہ اسلاف کے بارے میں بڑا بے باک اور منہ پھاڑ کر باتیں کرتا تھا۔ حضرت امیر معاویہ اور ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ کے بارے میں اس قسم کے رویے کا یہ مطلب ہے کہ اس کا دل صحابہ کرام (اسلاف) رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت و احترام سے خالی تھا۔

خودداری و بے نیازی

علم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت اور گراں مایہ سرمایہ ہے اس نعمت کا وارث اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو بنایا جن کو قدر و منزلت شان و شوکت اور فضل و شرف کے لحاظ سے اللہ تعالےٰ نے منتخب فرمالیا۔ ثم اورثنا الکتب الذی اصطفینا من عبادنا۔ حضور اکرم کا ارشاد گرامی ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ تم میں سے بہترین وہ شخص ہے۔ جو خود قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔ لیکن افسوس اس کے باوجود کتنے ہی علماء ایسے ہیں جو سرمایہ داروں اور بڑے لوگوں کی جی حضوری، کاسہ لیسی اور حاشیہ برداری کو فخر سمجھتے ہیں۔ وہ روسا کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اور ان کی غرض اور منشاء کے مطابق اسلام کے اصولوں اور واضح نصوص کی تاویل کرتے ہوئے ذرہ بھر کھٹکا محسوس نہیں کرتے وجہ یہ ہے کہ عظمت اسلام ان کے دلوں میں باقی نہ رہی۔

قرآن و حدیث کی قدر و منزلت کا احساس ان کے دلوں سے جاتا رہا۔ صحابہ کرام کی سیرت بے نیازی کا اثر ان کے دل و دماغ سے یک قلم اور یکسر محو ہوگیا تب ہی تو وہ دنیا داروں کی نیازمندی کا دم بھرتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ امام ابوداؤد درویش صفت اور قلندرانہ سج دھج رکھنے والے انسان سرمایہ داروں اور حکمرانوں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھنے کے ہرگز قائل نہ تھے جن کے استاد احمد بن حنبل ہوں۔ جنہوں نے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں پے در پے ظالم و جابر حکمرانوں سے ٹکرلی اور ان کی ہر پیش کش کو اپنے جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا ہو۔ بھلا اس کے چہیتے اور قابل فخر شاگرد سے کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ حکمرانوں کو اپنا آقا اور پروردگار سمجھتا ہو۔

امام صاحب کے غلام ابوبکر بن جابہ بیان کرتے ہیں کہ میں بغداد میں امام صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ دروازہ کھٹکا میں نے جلدی سے دروازہ کھولا میں کہنے لگا حضرت! یہ خلیفۂ وقت

ؔ طبقات الحنابلۃ ص ۱۵۹ ج ۱۔

ابو احمد الموفق باللہ ہے ۔ جو اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے ۔ چنانچہ اجازت ملنے پر وہ امام صاحب کی خدمت میں پہنچا اور کہنے لگا میں آپ سے تین سوالات کا جواب پوچھنا چاہتا ہوں امام صاحب فرمانے لگے آپ کے سوالات کیا ہیں ۔ اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ آپ بصرہ میں تشریف لائیں اور وہاں اپنی مسند تدریس بچھائیں تاکہ دنیا بھر کے طالب علم آپ سے کسب فیض کے لیے حاضر ہوں اور اس طرح بصرہ کی اجڑی رونق پھر بحال ہو سکے ۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ آپ میری اولاد کو سنن ابوداؤد پڑھائیں اور اپنی سند اجازت سے انہیں مشرف فرمائیں ۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ میری اولاد کو علیحدہ درس دیں اور ان کے لیے مکان و زماں کو مخصوص کریں کیونکہ خلفاء کی اولاد شہزادگان اور صاحبزادگان کا عام مجلس میں بیٹھ کر پڑھنا باعث عار اور دشوار ہے ۔

امام صاحب نے موافق باللہ کی بات سن کر فرمایا کہ پہلی دو باتوں سے تو مجھے کوئی انکار نہیں کیونکہ ہمارا کام درس حدیث ہے جہاں کہیں موقع میسر آجائے ہم وہاں ہی پڑھانے کے لئے تیار ہیں ۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

مگر آپ کا تیسرا سوال ناقابل عمل اور ناقابل برداشت ہے اس لئے کہ ہم شہزادوں کی عزت افزائی کے لیے علم حدیث کی توہین نہیں کرنا چاہتے ۔ علم کسی کے پاس چل کر نہیں جاتا بلکہ علم کے پیاسوں کو علم کے پاس خود چل کر آنا ہوتا ہے لہٰذا میرے پاس آپ کے شہزادوں کے لیے علیحدہ طور پر پڑھانے کے لیے کوئی بندوبست نہیں امام صاحب کا یہ جرأت مندانہ جواب سن کر خلیفہ وقت کو جھکنا پڑا اس کے بعد بادشاہ کے شہزادے بھی عام طلباء کے ساتھ بیٹھ کر درس حدیث سننے لگے [1]

اسی قسم کا جرأت مندانہ جواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حاکم بخارا کو سنایا تھا جس کی بنا پر ان کو جلاوطن ہونا پڑا مگر انہوں نے علم کی امانت کو دنیاداری اور سرمایہ داری کی بھینٹ نہیں چڑھایا ۔

چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا ۔

حق گوئی

حق گوئی اور صدق و صفائی اللہ والوں کا شیوہ ہے وہ سچی بات کہنے میں کسی چیز کی مطلق پرواہ نہیں کرتے ولا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کے مصداق کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں کسی قسم کی کوئی دھمکی

[1] مقدمہ معالم السنن صہ

(باقی صفحہ ۲۸ پر)